حضرت مجدد الف ثانی
اور
علامہ اقبال کی نظر میں

مرتب

محمد عبدالحکیم شرف قادری

رضا اکیڈمی رجسٹرڈ لاہور

ترتیب

محمد عبد الحکیم شرف قادری

رضا اکیڈمی رجسٹرڈ، لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۲۹

نام کتاب ——— دو قومی نظریہ، حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال کی نظر میں

ترتیب ——— محمد عبدالحکیم شرف قادری

تاریخ اشاعت ——— ربیع الاول ۱۴۱۸ھ اگست ۱۹۹۷ء

صفحات ——— ۳۲

ناشر : ——— رضا اکیڈمی

مطبع : ——— احمد سجاد آرٹ پریس ہوسٹی روڈ لاہور

ہدیہ : ——— دعائے خیر بحق معاونین رضا اکیڈمی رجسٹرڈ لاہور

عطیات بھیجنے کے لیے رضا اکیڈمی

اکاؤنٹ نمبر ۳۸/۹۳۸، حبیب بنک ۔ وسن پورہ برانچ ○ لاہور

بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے حضرات ۱۰/- روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔

ملنے کا پتہ

رضا اکیڈمی رجسٹرڈ مسجد رضا محبوب روڈ۔ چاہ میراں، لاہور پاکستان

کوڈ نمبر ۵۴۹۰۰، فون نمبر ۷۶۵۰۴۴۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ربانی اور دو قومی نظریہ

محمد عبدالحکیم شرف قادری

• نحمدہ ونصلی و نسلم علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

جناب صدر گرامی قدر! حضرت حاجی پیر صاحب مدظلہ العالی اور سامعین کرام!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

میرے مقالے کا موضوع ہے :

"امام ربانی اور دو قومی نظریہ"

میرے لئے یہ امرباعث سعادت ہے کہ مجھے اس عنوان پر گفتگو کی اجازت دی گئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

ان اللہ عز و جل یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (مشکوۃ شریف ص ۳۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے آخر میں ایسی ہستی بھیجے گا جو اس کے دین کو نکھار کر پیش کرے گی۔

گردش زمانہ کے ساتھ افکار و نظریات میں تبدیلی آ جاتی ہے، عقائد، اعمال اور احوال کے مسائل دھندلا جاتے ہیں جب کہ دین اسلام لافانی دین ہے، اس کی حفاظت رب العالمین جل شانہ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے اور حضور سید عالم خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دین کی حفاظت کا یہ انتظام فرمایا کہ ہر صدی میں ایسے جلیل القدر اصحاب ایمان پیدا فرمائے جو نبی تو

نہیں تھے لیکن وارثان انبیاء تھے' انہوں نے حق اور ناحق کو جدا کیا' سنت و بدعت میں فرق کیا' ایمان کی محبت و عظمت دلوں میں بٹھائی' کفر سے نفرت کا درس دیا' فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے افراد کو تقویٰ و طہارت کا پیکر بنا دیا' جہالت اور غفلت کی مدہوشی میں غرق شدہ لوگوں کو خود شناس' خدا پرست اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنتوں کا عامل بنا دیا۔ مختصر یہ کہ انسان نما حیوانوں کو مقام انسانیت پر فائز کر دیا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ العزیز بھی سلسلہ مجددین کی سنہری کڑی ہیں اور آپ کا امتیازی وصف یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دنیا سے رحلت فرما جانے کے ایک ہزار سال بعد آپ نے تجدید دین کا کارنامہ انجام دیا اور اس طویل عرصے میں اپنوں کی بے اعتنائی اور بیگانوں کی چیرہ دستی نے گرد و غبار اور شکوک و شبہات کی جو دبیز دیواریں کھڑی کر رکھی تھیں انہیں مسمار کر کے دین متین کا رخ زیبا سب کے سامنے بے حجاب کر دیا۔

امام ربانی رحمہ اللہ تعالٰی کا سلسلہ نسب ۲۹ واسطوں سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تک پہنچتا ہے۔ ۹۷۱ھ میں آپ کی ولادت با سعادت سرہند شریف میں ہوئی' آپ کے والد گرامی شیخ عبدالاحد رحمہ اللہ تعالٰی کو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین سے سلسلہ قادریہ چشتیہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔

امام ربانی نے اکثر و بیشتر علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کئے' ان کے علاوہ مولانا کمال الدین کشمیری' مولانا یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول بدخشی سے بھی علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کئے۔ قلعہ گوالیار کی اسیری کے دور (۲۹ - ۱۰۲۸ھ) میں قرآن پاک حفظ کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی کو سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد سے اور سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ کمال کیتھلی سے اجازت و خلافت تھی۔ ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت ہو کر سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت حاصل کی(۱) اور آسمان ولایت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے' آپ نے اتباع شریعت و سنت کی ایسی تحریک چلائی جس کے اثرات صرف ہندوستان کے گوشے گوشے میں نہیں بلکہ وسط ایشیاء' شام اور دیگر ممالک تک پہنچے۔

امام ربانی کی مساعی جمیلہ کی بدولت دنیائے اسلام میں نئی بہار آ گئی' اتباع شریعت کا چلن عام ہوا' ان کی توجہات عالیہ سے صرف ظاہری تبدیلی نہیں آئی بلکہ دلوں کی دنیا میں انقلاب آ گیا' کافر حلقہ بگوش اسلام ہوئے' فاسق و فاجر عابد شب زندہ دار بن گئے اور خوش بخت حضرات ولایت علیا کے مقام پر فائز ہو گئے' دینی مدارس سے قال اللہ' قال الرسول کی دل نواز صدائیں بلند ہونے لگیں' مسجدیں اور خانقاہیں عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر سے آباد ہو گئیں۔ لطیفہ قلب' روح' سر' خفی' اخفیٰ' نفسی اور قلبی ذکر الٰہی سے معمور ہو گئے' نفی و اثبات اور مراقبات کا دور دورہ ہوا' اخلاص و احسان کے مظاہرے عام ہو گئے' یہ سب اس قدسی صفات ہستی کا فیض نظر تھا جسے دنیا امام ربانی' مجدد الف ثانی کے القاب سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

دو قومی نظریہ

اس نظریئے کے فروغ کے لئے امام ربانی قدس سرہ کی مساعی جمیلہ کے بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس دور کا مختصر جائزہ پیش کر دیا جائے تاکہ آپ کی مجاہدانہ کارروائی کی قدر و قیمت کا کسی حد تک اندازہ ہو سکے۔ آپ کی مصالحانہ کوششوں کا آغاز اکبر کے دور میں ہوا اور جہانگیر کے دور میں ان کوششوں کے ثمرات لوگوں نے سر کی آنکھوں سے دیکھ لئے۔

اکبر بادشاہ زندگی کے ابتدائی دور میں مخلص مسلمان دکھائی دیتا تھا' باقاعدہ نماز پنجگانہ ادا کرتا' علماء دین کا احترام کرتا یہاں تک کہ بعض علماء کی جوتیاں خود سیدھی کرتا' رفتہ رفتہ اس میں تبدیلیاں آنے لگیں اور وہ دین سے دور ہو تا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود علم سے بے بہرہ تھا' اس کے حرم شاہی میں ہندو خواتین شامل تھیں' اس کے دربار میں ہندوؤں کی قدر و منزلت تھی' عیسائی پادریوں سے میل ملاپ تھا اور اس کے ارد گرد ایسے علماء سوء جمع ہوگئے تھے جن کا مطمع نظر بادشاہ کی خوشنودی اور مال دنیا حاصل کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا' وہ بھرے دربار میں اس طرح ایک دوسرے سے دست بگریباں ہوتے کہ بادشاہ علماء سے تو کیا اسلام ہی سے بد دل ہو تا گیا' ان تمام عوامل کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے ایک نئے دین "دین الٰہی" کی داغ بیل ڈال دی۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ اس دور کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تیسرے دور میں دین الٰہی کا آغاز ہوا اور وہ کچھ ہوا جو ناگفتنی ہے' ہر وہ کام کیا جانے لگا جو اسلام کے سراسر منافی ہے' مثلاً" کلمہ طیبہ میں "محمد رسول اللہ" کی جگہ "اکبر خلیفتہ اللہ" پڑھا جانے لگا' گائے کی قربانی پر پابندی لگا دی گئی' خنزیر اور کتوں کا احترام ہونے لگا' شراب اور جوا عام ہوگیا' اکبر نے علماء کو بالجبر شراب پلائی' عورتوں کی بے حجابی عام ہو گئی' پردہ پر پابندی لگا دی گئی' زمین بوس کے نام سے سجدہ کا آغاز کیا گیا' عالم و عامی سب بادشاہ کے آگے سجدہ ریز ہونے لگے' بعض مساجد ڈھا دی گئیں اور مدارس عربیہ مسمار کردیئے گئے' داڑھیاں منڈوا دی گئیں اور شعائر اسلام کا برسرعام مذاق اڑایا جانے لگا"(۲)۔

اندازہ فرمائیں ایسے پر آشوب دور میں کلمہ حق کہنا اور پرچم اسلام بلند کرنا کتنا مشکل ہوگا؟ جب علم سے بے بہرہ اور خود سر حکمران' مخالف اسلام فتنے کا خود بانی ہو' ابو الفضل اور فیضی جیسے علماء اس کے خوشامدی ہوں' مشائخ منقار زیر پر ہوں'

ایسے عالم میں شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی تصانیف کے ذریعے اور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہما اللہ تعالیٰ اپنے مکتوبات کے ذریعے عوام' علماء' صوفیا اور بادشاہ وقت کے مقربین کو اسلام کی حفاظت اور سربلندی کے لئے کام کرنے کی دعوت دیتے ہوئے میدان عمل میں سربکف دکھائی دیتے ہیں۔

آج ذرائع ابلاغ اتنے تیز ہیں کہ "آناً فاناً" ایک پیغام مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے' امام ربانی کے دور میں اخبارات' ٹیلیویژن اور سیٹلائٹ کا وجود نہیں تھا' اس کے باوجود آپ نے مکتوبات کے ذریعے اسلام کا پیغام مریدین' خلفاء اور ارکان سلطنت تک پہنچایا۔ آپ کے مکتوبات ذاتی نوعیت کے نہیں تھے بلکہ ہر مکتوب میں دین کا پیغام اور شریعت و طریقت کا کوئی مسئلہ بیان کیا جاتا تھا' جس کے نام مکتوب ارسال کیا جاتا وہ اسے اپنی ذات تک محدود نہ رکھتا بلکہ اصل یا اس کی نقل دوسروں تک پہنچا دیتا اس طرح وہ مکتوب تیزی کے ساتھ دور دراز تک پہنچ جاتا۔ ایک ولی کامل و مکمل کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ پڑھنے سننے والوں کے دل و دماغ میں اتر جاتا اور انقلاب برپا کر دیتا۔

حضرت امام ربانی نے دین کی جن بنیادی تعلیمات پر بطور خاص زور دیا ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔ ان کا آپس میں نہ تو اتحاد ہو سکتا ہے اور نہ ہی مفاہمت ہو سکتی ہے' اسلام لانے کا صرف یہ مطلب نہیں کہ زبان سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا جائے اور دل سے تصدیق کرلی جائے' مسلمان بننے کے لئے تصدیق اور اقرار کے بعد احکام اسلام پر عمل کرنا اور اپنی طاقت کے مطابق اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے کوشش کرنا بھی ضروری ہے' اس کے ساتھ ہی کفر' معصیت اور کافر سے نفرت و بیزاری اور کفر کے مٹانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا بھی ضروری ہے' ایک مسلمان کے لئے کفر اور کافر کی محبت و تعظیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفرو الفسوق والعصیان (۴۹/۷) لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور تمہارے لئے کفر، فسق اور معصیت کو مکروہ بنا دیا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم (۵/۵۱)

اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا وہ ان میں سے ہوگا۔

اللہ اکبر! کتنا پرجلال ارشاد ہے جسے سن کر ایک مسلمان پر کپکپی طاری ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص میں تین خصلتیں پائی جائیں ان کے ذریعے وہ ایمان کی حلاوت (مٹھاس) پالے گا۔

۱۔ جس شخص کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔
۲۔ جو کسی بندے سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت رکھے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے نجات دی ہے تو وہ کفر کی طرف لوٹ جانے کو اس طرح مکروہ جانے جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو مکروہ جانتا ہے۔(۳)

امام ربانی نے اپنے مکتوبات میں بڑے درد و سوز کے ساتھ اسلام کی سربلندی اور کفر کے ذلیل کرنے کی اپیل کی ہے، خان اعظم کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

"اسلام کی غربت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کفار برملا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں، کفر کے احکام بے تحاشا جاری کرتے ہیں اور گلی کوچوں میں اہل کفر کی تعریفیں کرتے ہیں، مسلمانوں کو اجرائے احکام سے روکا جاتا

ہے اور احکام اسلام بجالانے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔۔۔ آپ کوشش فرمائیں کہ کم از کم کافروں کے بڑے بڑے احکام جو مسلمانوں میں عام ہو رہے ہیں وہ ختم ہو جائیں اور مسلمان ان مخالف شریعت کاموں سے محفوظ ہو جائیں۔۔۔ گزشتہ حکومت (اکبر کے دور) میں دین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی مترشح ہوتی تھی، اس حکومت میں ظاہرا" وہ عناد نہیں ہے اور اگر ہے تو بے علمی کی بنا پر ہے، خوف اس بات کا ہے کہ کہیں اس جگہ بھی معاملہ دشمنی تک نہ پہنچ جائے اور مسلمانوں کے لئے معاملہ (زندگی گزارنا) مشکل ہو جائے"(۴)۔

ایک دوسرے مکتوب میں جناب سید شیخ فرید کو تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں کافروں کو اپنا اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن فرمایا ہے، لہذا خدا اور رسول کے ان دشمنوں کے ساتھ دوستی اور میل جول بڑا گناہ ہوگا، ان دشمنوں کی ہم نشینی اور ان سے میل ملاپ کا کم سے کم نقصان یہ ہے کہ احکام شریعت کے جاری کرنے اور کفر کے نشانات کے مٹانے کی قوت کمزور پڑ جائے گی اور دوستی کا تعلق اس میں رکاوٹ بنے گا اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی دوستی اور محبت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی تک پہنچنے کا ذریعہ بن جائے گی۔ ایک شخص یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس قسم کے قبیح اعمال، اس کی دولت ایمان کا صفایا کر دیں گے، ان ناکارہ لوگوں کا کام اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑانا ہے، وہ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اگر ان کا بس چلے تو مسلمانوں کو تباہ کر دیں یا سب کو قتل کر دیں یا انہیں کافر بنا لیں۔ پس اہل اسلام کو بھی شرم کرنی چاہئے کہ "**الحیاء من الایمان**" (حیاء ایمان کے اعمال میں سے ہے) مسلمان ہونے کی

لاج رکھنی چاہئے اور ہمیشہ ان کو ذلیل کرتے رہنا چاہئے"(۵)۔

اس موضوع پر امام ربانی کا جو مکتوب بھی پڑھیں اس کے ایک ایک جملے سے جلال فاروقی جھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بندۂ مومن کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہونی چاہئے، تب ہی اسے ایمان کی چاشنی میسر آسکے گی (جیسے کہ اس سے پہلے حدیث شریف کے حوالے سے بیان ہوا) اب آپ خود ہی سوچئے کہ جس ہستی کے ساتھ ایمان کی حد تک محبت ہو، کیا اس کے دشمن سے محبت ہو سکتی ہے؟ اس کی تعظیم کی جا سکتی ہے، اس کی عزت افزائی کی جا سکتی؟ حاشا وکلا! اگر ایسا کیا گیا تو یہ محبت کی توہین ہوگی اور غیرت ایمانی کے سراسر منافی۔

یہ ہے دو قومی نظریہ جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے، جسے اکبری دور میں ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و توفیق سے امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے جرات ایمانی اور جلال فاروقی سے کام لیتے ہوئے ایسی کوششوں کو خاک میں ملا دیا۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے بجا کہا ہے:

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

حضرت امام ربانی نے پرچم اسلام بلند کرنے کے لئے جو کوششیں کیں ان کی کامیابی اور نتائج کا تذکرہ کرتے ہوئے، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ لکھتے ہیں:

"حضرت مجدد نے اسلام کے لئے اپنا تن، من، دھن سب کچھ لٹا دیا۔ عزیمت پسندی کی ایسی شاندار مثالیں قائم کیں جن سے مردہ دل زندہ ہوگئے اور ایک عظیم انقلاب آگیا--- بادشاہ کے حضور سجدہ تعظیمی (زمین بوس) موقوف کر دیا گیا، گائے کی قربانی عام ہوگئی اور سب سے پہلے خود جہانگیر نے قلعہ کانگڑا میں حضرت مجدد کی موجودگی میں گائے ذبح کرائی، شراب پر پابندی لگا دی گئی اور بے شمار

اصلاحات ہوئیں۔ بلاشبہ حضرت مجدد کی انتھک جدوجہد سے مذہبی سطح پر اسلام، سنیت اور حنفیت کو فروغ ہوا--- سیاسی سطح پر اسلامی حکومت کا قیام ممکن ہوا--- روحانی سطح پر تصور وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات سے جو ہلاکت پھیل رہی تھی تصور وحدۃ الشہود سے اس کا موثر دفاع کیا اور ناقابل فہم کو عام لوگوں کے لئے قابل فہم بنا دیا گیا--- اس طرح ہر سطح پر فکر مسلم کی اصلاح کرکے ایک عظیم انقلاب برپا کیا گیا"(۶)۔

مشہور مورخ اور محقق، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

"جہانگیر کے دور حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی آگے آئے، آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا، چنانچہ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی فضا میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں، اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطہء عروج تھا، جہانگیر کی تخت نشینی سے اس آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے، شاہجہان اگرچہ پارسا سنی مسلمان تھا اور دربار میں کسی قسم کی مذہبی ڈھیل برداشت نہیں کرتا تھا، تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن رکھا، اورنگ زیب عالمگیر سنیوں کا نشان نصرت تھا"(۷)۔

اکبری دور کے بعد بیسویں صدی عیسوی کی ابتداء میں پھر اس فتنے نے سر اٹھایا، ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ بلند کیا گیا، کانگرسی علماء اس تحریک کے ہمنوا تھے، امام احمد رضا بریلوی نے علالت کے باوجود "المحجۃ الموتمنۃ" لکھ کر ہندو مسلم اتحاد کے تار و پود بکھیر دیئے اور قرآن و حدیث کے دلائل قاہرہ کی روشنی میں دو قومی نظریہ پوری قوت کے ساتھ پیش کیا۔

کس درد مندی کے ساتھ فرماتے ہیں:

"جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری، پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خود داری؟---

وہ تمہیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں، تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہو جائے ---- حالانکہ بحکم قرآن خود نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس، مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ، جو تمہارے ماتھے رکھنے کی جگہ ہے وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ، مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا، محبت مشرکین نے اندھا بہرا کر دیا ---- سب جانے دو! خدا کو منہ دکھانا ہے یا ہمیشہ مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے ---- جواز تھا تو یوں کہ کوئی کافر مثلاً ”اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سر مشرکوں، نجس بت پرستوں کو مسلمانوں کا واعظ بنا کر مسجد میں لے جاؤ، اسے مسند مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بٹھاؤ، مسلمانوں کو نیچا کھڑا کر کے اس کا وعظ سناؤ؟ کیا اس کے جواز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمہیں مل سکتی ہے؟ حاشا ثم حاشا للہ انصاف! کیا یہ اللہ و رسول سے آگے بڑھنا، شرع مطہر پر افتراء دھرنا، احکام الٰہی دانستہ بدلنا، سور کو بکری بنا کر نگلنا نہ ہوگا؟“(۸)۔

اسی دور میں شاعر مشرق علامہ اقبال نے بھی کانگرسی علماء کا سختی سے محاسبہ کیا، مولوی حسین احمد مدنی نے جب ایک بیان میں کہا کہ ”قومیں وطنوں سے بنتی ہیں“ تو علامہ نے مشہور زمانہ اشعار کہے جو زبان زد عام ہیں، بلکہ اپنے ایک مقالہ میں تو نظریہ وطنیت کو قادیانی افکار کا تتبع قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

”جس طرح قادیانی نظریہ ایک جدید نبوت کی اختراع سے قادیانی افکار کو ایک ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے کہ اس کی انتہاء نبوت محمدیہ کے کامل اکمل ہونے سے انکار ہے، بعینہ اسی طرح وطنیت کا نظریہ بھی امت مسلمہ کی بنیادی سیاست کے کامل ہونے سے انکار کی راہ کھولتا ہے، بظاہر نظریہ وطنیت سیاسی نظریہ ہے اور قادیانی ”انکار خاتمیت“ الٰہیات کا ایک مسئلہ ہے، لیکن ان دونوں میں ایک گہرا معنوی تعلق ہے“(۹)۔

آج ۲۸ صفر ۱۴۱۷ھ ہے، ہم امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی احیاء اسلام اور تجدید دین کے سلسلے میں گرانقدر اور لافانی مساعی جمیلہ، ان کی تعلیمات اور افکار سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے اس ہال میں جمع ہوئے ہیں، ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء کو آپ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، لیکن مکتوبات شریفہ اور آپ کی دیگر تصانیف آج بھی ہمارے پاس موجود ہیں، پہلے سے کہیں زیادہ آج ان کا مطالعہ کرنے اور ان کی اشاعت کی ضرورت ہے۔

آج ملک پاک لادینیت، عریانیت، قتل و غارت گری اور دھماکوں کی زد میں ہے، گستاخ رسول کی سزائے موت اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے سے متعلق قوانین ختم کرنے کی تیاری کی جا رہی ہے، قرآن و حدیث کے احکام کے برعکس عورت کی سزائے موت کا قانون ختم کیا جا رہا ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان آزاد اسلامی مملکت نہیں، بلکہ امریکہ کی ایک کالونی ہے، دنیا کے نقشے پر پچاس سے زیادہ اسلامی ممالک موجود ہیں اس کے باوجود کشمیر، بوسنیا، چیچنیا، فلسطین اور دیگر اسلامی ممالک میں بے گناہ مسلمانوں کا خون بے دردی کے ساتھ بہایا جارہا ہے، مگر کسی حکمران کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، اس کی وجہ کیا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے ایمان کمزور ہو چکے ہیں، ہم دو قومی نظریئے کی روح کو فراموش کر چکے ہیں، ہم نے ”انما المومنون اخوۃ“ کا سبق بھلا دیا ہے۔

آج بھی اگر اسلامی ممالک کے حکمران اور عوام دو قومی نظریئے کو اپنالیں تو انہیں عظمت رفتہ دوبارہ مل سکتی ہے اور امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر ریت کا گھروندا ثابت ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الا علون ان کنتم مومنین

اللہ تعالیٰ ہمیں امام ربانی مجدد الف ثانی، امام احمد رضا بریلوی اور علامہ اقبال کے افکار اور تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ مقالہ ۲۸ صفر ۱۵ جولائی ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء کو ادارہ مظہر علم کی طرف سے منعقد امام ربانی کانفرنس، الحمراء ہال میں پڑھا گیا۔

حوالہ جات

(۱) محمد مسعود احمد پروفیسر۔ مقدمہ تجلیات امام ربانی (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۱۲ - ۱۳

(۲) محمد مسعود احمد، پروفیسر۔ مقدمہ تجلیات امام ربانی ص ۱۵

(۳) محمد بن عبداللہ الخطیب ولی الدین۔ مشکوۃ شریف عربی (طبع کراچی) ص ۲

(۴) احمد سرہندی، امام ربانی شیخ۔ مکتوبات امام ربانی، فارسی دفتر اول مکتوب ۶۵ ص ۵۳

(۵) احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، شیخ۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۱۹۳ ص ۵۲ - ۵۱

(۶) محمد مسعود احمد، ڈاکٹر۔ مقدمہ تجلیات امام ربانی ص ۲۲ - ۲۳

(۷) ایضاً ص ۲۹ - ۲۸

(۸) احمد رضا بریلوی، امام۔ المحجۃ الموتمنۃ (طبع بریلی) ص ۸۴

(۹) عبدالواحد معینی، سید۔ مقالات اقبال (آئینہ ادب، لاہور) ص ۲۷۸

ماخوذ از مقالات اقبال

مرتبہ سید عبدالواحد ص ۲۶۲-۲۶۹

جغرافیائی حدود اور مسلمان

میں نے اپنے مصرع

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است

میں لفظ "ملت" قوم کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی میں یہ لفظ اور بالخصوص قرآن مجید میں "شرع" اور "دین" کے معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن حال کی عربی فارسی اور ترکی زبانوں میں بکثرت سندات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملت قوم کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ میں نے اپنی تحریروں میں بالعموم ملت بمعنی قوم ہی استعمال کیا ہے لیکن چونکہ لفظ ملت کے معنی زیر بحث مسائل پر چنداں مؤثر نہیں۔ اس واسطے اس بحث میں پڑے بغیر ہی تسلیم کرتا ہوں کہ مولانا حسین احمد کا ارشاد یہ تھا کہ اقوام اوطان سے بنتی ہیں۔

فرنگی نظریۂ وطنیت

مجھ کو حقیقت میں مولانا کے اس ارشاد پر بھی اعتراض نہیں۔ اعتراض کی

گنجائش اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ کہا جائے کہ زمانہ حال میں اقوام کی تشکیل اوطان سے ہوتی ہے اور ہندی مسلمانوں کو مشورہ دیا جائے کہ وہ اس نظریہ کو اختیار کریں ایسے مشورہ سے قومیت کا جدید فرنگی نظریہ ہمارے سامنے آتا ہے جس کا ایک اہم دینی پہلو ہے۔ جس کی تنقید ایک مسلمان کے لئے ازبس ضروری ہے۔ افسوس ہے کہ میرے اعتراض سے مولانا کو یہ شبہ ہوا کہ مجھے کسی سیاسی جماعت کا پروپیگنڈہ مقصود ہے۔ حاشا وکلا میں نظریہ وطنیت کی تردید اس زمانے سے کر رہا ہوں جب کہ دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریہ کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا۔ مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں کی یہ تدبیر جنگ عظیم میں کامیاب بھی ہو گئی اور اس کی انتہا یہ ہے کہ ہندوستان میں اب مسلمانوں کے بعض دینی پیشوا بھی اس کے حامی نظر آتے ہیں۔ زمانہ کا الٹ پھیر بھی عجیب ہے۔ ایک وقت تھا کہ نیم مغرب زدہ پڑھے لکھے مسلمان تفرنج میں گرفتار تھے، اب علما اس لعنت میں گرفتار ہیں۔ شاید یورپ کے جدید نظریئے ان کے لیے جاذب نظر ہیں۔ مگر افسوس ؎

نو نہ گر دو کعبہ را رخت حیات　　　گر ز افرنگ آیدش لات و منات

سیاسی لٹریچر میں وطن کا مفہوم

میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ مولانا کا یہ ارشاد کہ اقوام اوطان سے بنتی ہیں،

قابل اعتراض نہیں۔ اس لئے کہ قدیم الایام سے اقوام اوطان کی طرف اور اوطان اقوام کی طرف منسوب ہوتے چلے آئے ہیں۔ ہم سب ہندی ہیں اور ہندی کہلاتے ہیں کیونکہ ہم سب کرۂ ارضی کے اس حصہ میں بود و باش رکھتے ہیں جو ہند کے نام سے موسوم ہے علی ہذا القیاس چینی، عربی، جاپانی، ایرانی وغیرہ "وطن" کا لفظ جو اس قول میں مستعمل ہوا ہے محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے اور اس حیثیت سے اسلام سے متصادم نہیں ہوتا۔ اس کے حدود آج کچھ ہیں اور کل کچھ۔ کل تک اہل برما ہندوستانی تھے اور آج برمی ہیں۔ ان معنوں میں ہر انسان فطری طور پر اپنے جنم بھوم سے محبت رکھتا ہے اور بقدر اپنی بساط کے اس کے لئے قربانی کرنے کو تیار رہتا ہے۔ بعض نادان لوگ اس کی تائید کرتے ہیں "حب الوطن من الایمان" کا مقولہ حدیث سمجھ کر پیش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ وطن کی محبت انسان کا ایک فطری جذبہ ہے جس کی پرورش کے لئے اثرات کی کچھ ضرورت نہیں۔ مگر زمانہ حال کے سیاسی لٹریچر میں وطن کا مفہوم محض جغرافیائی نہیں بلکہ وطن ایک اصول ہے ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا اور اس اعتبار سے ایک سیاسی تصور ہے۔ چونکہ اسلام بھی ہیئت اجتماعیت انسانیہ کا ایک قانون ہے اس لئے جب لفظ "وطن" کو ایک سیاسی تصور کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ اسلام سے متصادم ہوتا ہے۔

اسلام اور ہیئت الاجتماعیہ انسانیہ

مولانا حسین احمد صاحب سے بہتر اس بات کو کون جانتا ہے کہ اسلام بحیثیت اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے

کو تیار نہیں۔ بلکہ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلامی ہو نا معقول و مردود ہے۔ اس کلیہ سے بعض سیاسی مباحث پیدا ہوتے ہیں جن کا ہندوستان سے خاص تعلق ہے۔ مثلاً یہ کہ کیا مسلمان اور قوموں کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے، یا ہندوستان کی مختلف قومیں یا ملتیں ملکی اغراض کے لئے متحد نہیں ہو سکتیں وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ میرا مقصد اس وقت صرف مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے قول کے دینی پہلو کی تنقید ہے اس لئے میں ان مباحث کو نظر انداز کرنے پہ مجبور ہوں۔

اسلام واحد اجتماعی نظام ہے

اسلام کے مذکورہ بالا دعوے پر عقلی دلائل کے علاوہ تجربہ بھی شاہد ہے اول یہ کہ اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رُو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں، بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ تاریخ ادیان اس بات کی شاہد و عادل ہے کہ قدیم زمانہ میں "دین" قومی تھا، جیسے مصریوں، یونانیوں اور ہندیوں کا۔ بعد میں نسلی قرار پایا جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ دین انفرادی اور پرائیویٹ ہے جس سے بدبخت یورپ میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ دین چونکہ پرائیویٹ عقائد کا نام ہے اس واسطے انسانوں

کی اجتماعی زندگی کی ضامن صرف سٹیٹ ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے، نہ نسلی ہے، نہ انفرادی نہ پرائیویٹ، بلکہ خالصتاً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحد و منظم کرنا ہے۔ ایسا دستور العمل قوم اور نسل پہ بنا نہیں کیا جا سکتا نہ اس کو پرائیویٹ کہہ سکتے ہیں بلکہ اس کو صرف معتقدات پر ہی مبنی کیا جا سکتا ہے۔ صرف یہی ایک طریق ہے جس سے عالم انسان کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو ایک ملت کی تشکیل اور اس کے بقا کے لئے ضروری ہے۔ کیا خوب کہا ہے مولانا رومیؒ نے۔ ع

ہم دلی از ہم زبانی بہتر است

مسلمانوں کو بروقت تنبیہ

اس سے علیٰحدہ رہ کر جو اور راہ اختیار کی جائے وہ راہ لادینی ہو گی اور شرف انسانی کے خلاف ہو گی اور یورپ کی اقوام علیٰحدہ علیٰحدہ ہو گئیں تو اُن کو اس بات کی فکر ہوئی کہ قومی زندگی کی اساس کیا قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ مسیحیت ایسا اساس نہ بن سکتی تھی۔ انہوں نے یہ اساس وطن کے تصور میں تلاش کی۔ کیا انجام ہوا اور ہو رہا ہے ان کے اس انتخاب کا؟ لوتھر کی اصلاح غیر سلیم عقلیت کا دور، "اصول دین" کا "اسٹیٹ" کے اصولوں سے افتراق بلکہ جنگ، یہ تمام قوتیں یورپ کو دھکیل کر کس طرف لے گئیں؟ لادینی، دہریت، اور اقتصادی جنگوں کی طرف۔ کیا مولانا حسین احمد یہ چاہتے ہیں کہ ایشیا میں بھی اسی تجربہ کا اعادہ ہو؟ مولوی صاحب زمانہ حال

ہیں "قوم" کے لئے "وطن" کی اساس ضروری سمجھتے ہیں۔ بیشک زمانہ حال نے اس اساس کو ضروری سمجھا ہے مگر صاف ظاہر ہے کہ یہ کافی نہیں۔ بلکہ بہت سی اور قوتیں بھی ہیں جو اس قسم کی تشکیل کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً دین کی طرف سے بے پروائی، سیاسی روزمرہ مسائل میں انہماک اور علیٰ ہذا القیاس اور دیگر مؤثرات جن کو ماہرین اپنے ذہن سے پیدا کریں تاکہ ان ذرائع سے اس قوم میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔ مولوی صاحب اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ اگر ایسی قوم میں مختلف ادیان وملل بھی ہوں تو رفتہ رفتہ وہ تمام ملتیں مٹ جاتی ہیں اور صرف لادینی اس قوم کے افراد میں وجہ اشتراک رہ جاتی ہے۔ کوئی دینی پیشوا تو کیا، ایک عام آدمی بھی جو دین کو انسانی زندگی کے لئے ضروری جانتا ہے، نہیں چاہتا کہ ہندوستان میں ایسی صورت حال پیدا ہو۔ باقی رہے مسلمان سو افسوس ہے کہ ان سادہ لوحوں کو اس نظریہ وطنیت کے لوازم اور عواقب کی پوری حقیقت معلوم نہیں۔ اگر بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں کہ دین اور وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے یکجا رہ سکتے ہیں تو میں مسلمانوں کو بروقت انتباہ کرتا ہوں کہ اس راہ کا آخری مرحلہ اوّل تو لادینی ہوگا اور اگر لادینی نہیں تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پروائی۔

مولانا حسین احمد کا نظریہ وطن

مگر جو فتنہ مولانا حسین احمد کے ارشاد میں پوشیدہ ہے وہ زیادہ دقت نظر کا محتاج ہے۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قارئین مندرجہ ذیل سطور کو غور سے

پڑھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ مولانا حسین احمد عالم دین ہیں اور جو نظریہ انہوں نے قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔ امت محمدیہ کے لئے اس کے خطرناک عواقب سے وہ بے خبر نہیں ہو سکتے، انہوں نے لفظ قوم استعمال کیا یا لفظ ملت؟ ہر اس لفظ سے اس جماعت کو تعبیر کرنا، جو اُن کے تصوّر میں امت محمدیہ ہے اور اس کی اساس وطن قرار دینا ایک نہایت دل شکن اور افسوسناک امر ہے۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس تو ہوا لیکن یہ احساس اُن کو غلطی کے اعتراف یا اس کی تلافی کی طرف نہیں لے گیا۔ انہوں نے لفظی اور لغوی "تاویل" سے کام لے کر عذر گناہ بدتر از گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ ملت اور قوم کے لغوی فرق و امتیاز سے کیا تسلی ہو سکتی ہے۔ ملت کو قوم سے ممتاز قرار دینا ان لوگوں کی تشفی کا باعث تو ہو سکے، جو دین اسلام کے حقائق سے ناواقف ہیں، واقف کار لوگوں کو یہ قول دھوکا نہیں دے سکتا۔

دو خطرناک نظریے

آپ نے سوچا نہیں کہ آپ اس توضیح سے دو غلط اور خطرناک نظریے مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

ایک یہ کہ مسلمان بحیثیت قوم اور ہو سکتے ہیں اور بحیثیت ملت اور۔

دوسرا یہ کہ از روئے قوم چونکہ وہ ہندوستانی ہیں، اس لئے مذہب کو علیحدہ چھوڑ کر انہیں باقی اقوام ہند کی قومیت یا ہندوستانیت میں جذب ہونا چاہئے۔ یہ صرف قوم اور ملت کے الفاظ کا فرق ہے ورنہ نظریہ وہی ہے جس

کا اوپر ذکر ہوا اور جس کے اختیار کرنیکے لئے اس ملک کی اکثریت اور اس کے رہنما آئے دن یہاں کے مسلمانوں کو تلقین کرتے رہتے ہیں۔

یعنی یہ کہ مذہب اور سیاست جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ اس ملک میں رہنا ہے تو مذہب کو محض انفرادی اور پرائیویٹ سمجھو اور اس کو افراد تک ہی محدود رکھو۔ سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کو کوئی دوسری علیحدہ قوم تصور نہ کرو اور اکثریت میں مدغم ہو جاؤ۔

مولانا کی زمین و آسمان

مولانا نے فرمایا ہے کہ میں نے لفظ ملت اپنی تقریر میں استعمال نہیں کیا۔ میں ملت کو وطنی قوم سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گویا اگر قوم زمین ہے تو ملت بمنزلہ آسمان ہے لیکن معنًا اور عملًا آپ نے ملت کی اس ملک میں کوئی حیثیت نہیں چھوڑی اور آٹھ کروڑ مسلمانوں کو یہ وعظ فرما دیا ہے کہ ملک و سیاست کے اعتبار سے اکثریت میں جذب ہو جاؤ۔ قوم قومیت کو آسمان بناؤ۔ دین فطرت، زمین بنتا ہے تو بننے دو۔

مولانا نے یہ فرض کرکے کہ مجھے قوم اور ملت کے معنی میں فرق معلوم نہیں اور شعر لکھنے سے پہلے جہاں میں نے مولانا کی تقریر کی اخباری رپورٹ کی تحقیق نہ کی وہاں قاموس کی ورق گردانی بھی نہ کرسکا، مجھے زبان عربی سے بے بہرہ ہونے کا طعنہ دیا ہے۔ یہ طعنہ سر آنکھوں پر، لیکن کیا اچھا ہوتا اگر میری خاطر نہیں تو عامۃ المسلمین کی خاطر قاموس سے گزر کر قرآن حکیم کی طرف رجوع کر

لیتے اور اس خطرناک اور غیر اسلامی نظریہ کو مسلمانوں کے سامنے رکھنے سے پیشتر خدائے پاک کی نازل کردہ وحی سے بھی استشہاد فرماتے۔ مجھے تسلیم ہے کہ میں عالم دین نہیں نہ عربی زبان کا ادیب ؎

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

قاموس اور قرآن پاک

لیکن آپ کو کون سی چیز مانع آئی کہ آپ نے صرف قاموس پر اکتفا کی کیا قرآن پاک میں سینکڑوں جگہ لفظ قوم استعمال نہیں ہوا؟ کیا قرآن میں ملت کا لفظ متعدد بار نہیں آیا؟ آیات قرآن میں قوم و ملت سے کیا مراد ہے اور کیا جماعت محمدیہ کے لئے ان الفاظ کے علاوہ لفظ امت بھی آیا ہے یا نہیں؟ کیا ان الفاظ کے معانی میں اس قدر اختلاف ہے کہ ایک ہی قوم اس اختلاف معانی کی بنا پر ایسی مختلف حیثیتیں رکھے کہ دینی یا شرعی اعتبار سے تو وہ نوامیس الٰہیہ کی پابند ہو اور ملکی و وطنی اعتبار سے کسی ایسے دستور العمل کی پابند ہو جو ملّی دستور العمل سے مختلف بھی ہو سکتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اگر مولانا قرآن سے استشہاد کرتے تو اس مسئلہ کا حل خود بخود ان کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا۔ آپ نے الفاظ کی جو لغت بیان فرمائی وہ بہت حد تک درست ہے۔ قوم کے معنی جماعۃ الرجال فی الاصل دون النساء ہے۔ گویا لغوی اعتبار سے عورتیں قوم میں شامل نہیں۔ لیکن قرآن حکیم میں جہاں

قوم موسیٰ و قوم عاد کے الفاظ آئے ہیں۔ وہاں ظاہر ہے کہ عورتیں اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ ملت کے معنی بھی دین و شریعت کے ہیں لیکن سوال ان دونوں لفظوں کے لغوی معانی کے فرق کا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان۔

اولاً اجتماعی اعتبار سے واحد و متحد اور معروف جماعت ہیں جو نسل یا ملک یا رنگ و لسان کے مقتضیات کے ماتحت اپنی ملی وحدت چھوڑ کر کسی اور نظام قانون کے ماتحت کوئی اور ہیئت اجتماعیہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

ثانیاً کیا ان معنوں میں بھی قرآن حکیم نے اپنی آیات کو کہیں لفظ قوم سے تعبیر کیا ہے؟ یا صرف لفظ ملت یا امت ہی سے پکارا ہے۔ ثالثاً اس ضمن میں وحی الٰہی کی دعوت کس لفظ کے ساتھ ہے۔ کیا یہ کسی آیت قرآنی میں آیا ہے کہ اے لوگو! یا اے مومنو! قوم مسلم میں شامل ہو جاؤ یا اس کا اتباع کرو یا یہ دعوت صرف ملت کے اتباع اور امت میں شمولیت کی ہے۔

قرآن کریم میں ملت کا مفہوم

جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں قرآن حکیم میں جہاں جہاں اتباع و شرکت کی دعوت ہے وہاں صرف لفظ ملت یا امت وارد ہوا ہے۔ کسی خاص قوم کے اتباع یا اس میں شرکت کی دعوت نہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:-

ومن احسن دیناً ممن اسلم وجھہ للّٰہ وھو محسن واتبع ملّۃ ابراھیم حنیفاً واتبعت ملّۃ آبائی ابراھیم فاتبعوا ملّۃ ابراھیم حنیفاً۔

اور یہ اتباع و اطاعت کی دعوت اس لئے ہے کہ ملت نام ہے ایک دین کا ایک شرع و منہاج کا۔

قوم چونکہ کوئی شرع و دین نہیں ہے۔ اس لئے اس کی طرف دعوت اور اس سے تمسک کی ترغیب عبث تھی۔ کوئی گروہ ہو، خواہ وہ قبیلہ کا ہو، نسل کا ہو، ڈاکوؤں کا ہو، تاجروں کا ہو، ایک شہر والوں کا ہو، جغرافیائی اعتبار سے ایک ملک یا وطن والوں کا ہو، وہ محض گروہ ہے۔ رجال کا یا انسانوں کا، وحی الٰہی یا نبی کے نقطۂ خیال سے ابھی وہ گروہ ہدایت یافتہ نہیں ہوتا۔ اگر وہ وحی یا نبی اس گروہ میں آئے تو وہ اس کا پہلا مخاطب ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی طرف منسوب بھی ہوتا ہے۔ قوم نوح، قوم موسیٰ، قوم لوط، لیکن اگر اسی گروہ کا مقتدا کوئی بادشاہ یا سردار ہو تو وہ اس کی طرف بھی منسوب ہوگا۔ مثلاً قوم عاد، قوم فرعون۔ اگر ایک ملک میں دو گروہ اکٹھے ہو جائیں اور اگر وہ متضاد قسم کے رہنماؤں کے گروہ ہوں تو وہ دونوں سے منسوب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جہاں قوم موسیٰ تھی وہاں قوم فرعون بھی تھی۔ قال الملاء من قوم فرعون اتذر موسیٰ وقومہ۔

لیکن ہر مقام پر جہاں قوم کہا گیا وہاں وہ گروہ مخاطب تھا جو ابھی ہدایت یافتہ اور غیر ہدایت یافتہ سب افراد پر مشتمل تھا۔ جو افراد پیغمبر کی متابعت میں آتے گئے توحید تسلیم کرتے گئے، وہ اس پیغمبر کی ملت میں آ گئے۔ اس کے دین میں آ گئے یا واضح تر معنوں میں مسلم ہو گئے۔ یاد رہے کہ دین اور ملت کفار کی بھی ہوتی ہے۔ انی ترکت ملّۃ قوم لا یؤمنون باللہ۔ ایک قوم کی ایک ملت یا اس کا منہاج تو ہو سکتا ہے لیکن ملت کی قوم کہیں نہیں آیا۔ اس کا مفہوم یہ

ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں ایسے افراد کو جو مختلف اقوام اور ملل سے نکل کر ملت ابراہیمی میں داخل ہو گئے۔ ان کو داخل ہونے کے بعد لفظ قوم سے تعبیر نہیں کیا بلکہ امت کے لفظ سے۔

بنی نوع آدم کی تقسیم

ان گزارشات سے میرا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں قرآن کریم میں مسلمانوں کے لئے امت کے سوا اور کوئی لفظ نہیں آیا۔ اگر کہیں آیا ہو، تو ارشاد فرمایئے۔ قوم رجال کی جماعت کا نام ہے اور یہ جماعت باعتبار قبیلہ، نسل، رنگ، زبان، وطن اور اخلاق ہزار جگہ اور ہزار رنگ میں پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن ملت سب جماعتوں کو تراش کر ایک نیا اور مشترک گروہ بنائے گی۔ گویا ملت یا امت جاذب ہے اقوام کی خود ان میں جذب نہیں ہو سکتی۔

عہد حاضر کے ہندوستان کے علماء کو حالات زمانہ نے وہ باتیں کرنے اور دین کی ایسی تاویلیں کرنے پر مجبور کر دیا ہے، جو قرآن یا نبی امی کا منشا ہرگز نہ ہو سکتی تھی۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت ابراہیم سب سے پہلے پیغمبر تھے جن کی وحی میں قوموں نسلوں اور وطنوں کو بالائے طاق رکھا گیا۔ بنی آدم کی صرف ایک تقسیم کی گئی۔ موحد و مشرک اس وقت سے لے کر دو ہی ملتیں دنیا میں ہیں، تیسری کوئی ملت نہیں۔ کعبۃ اللہ کے محافظ آج دعوت ابراہیمی اور دعوت اسمٰعیلی سے غافل ہو گئے۔ قوم اور قومیت کی ردا اوڑھنے والوں کو اس ملت کے بانیوں کی وہ دعا یاد نہ آئی، جو اللہ کے گھر کی بنیاد رکھتے وقت ان دونوں پیغمبروں نے کی۔ واذ یرفع ابراھیم القواعد

من البیت واسماعیل ط ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک۔

الکفرۃ ملت واحدہ

کیا خدا کی بارگاہ سے امت مسلمہ کا نام رکھوانے کے بعد بھی یہ گنجائش باقی تھی کہ آپ کی ہیئت اجتماعی کا کوئی حصہ عربی، ایرانی، افغانی، انگریزی، مصری یا ہندی قومیت میں جذب ہو سکتا ہے۔ امت مسلمہ کے مقابل میں تو صرف ایک ہی ملت ہے اور وہ الکفر ملۃ واحدۃ کی ہے۔

امت مسلمہ جس دین فطرت کی حامل ہے اس کا نام دین قیم ہے۔ دین قیم کے الفاظ میں ایک عجیب و غریب لطیفہ قرآنی مخفی ہے اور وہ یہ کہ صرف دین ہی مقوم ہے اس گروہ کے امور معاشی و معادی کا جو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اس کے نظام کے سپرد کر دے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ قرآن کی رو سے حقیقی تمدنی یا سیاسی معنوں میں قوم، دین اسلام سے ہی تقویم پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن صاف صاف اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ کوئی دستور العمل جو غیر اسلامی ہو نا معقول و مردود ہے۔

ایک اور لطیفہ بھی مسلمانوں کے لئے قابل غور ہے کہ اگر "وطنیت" کا جذبہ ایسا ہی اہم اور قابل قدر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقارب اور ہم نسلوں اور ہم قوموں کو آپ سے پرخاش کیوں ہوئی۔ کیوں نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک ہمہ گیر معمولی ملت سمجھ کر بلحاظ قوم یا قومیت ابوجہل اور ابولہب کو اپنا بنائے رکھا اور ان کی دلجوئی کرتے رہے۔ بلکہ کیوں نہ عرب کے سیاسی امور میں ان کے ساتھ

قومیت قائم رکھی۔ اگر اسلام سے مطلق آزادی مراد تھی تو آزادی کا نصب العین تو قریش مکہ کا بھی تھا۔ مگر افسوس آپ اس نکتہ پر غور نہیں فرماتے کہ پیغمبر خدا کے نزدیک اسلام دینِ قیّم، امت مسلمہ کی آزادی مقصود تھی ان کو چھوڑنا، ان کو کسی دوسری ہئیت اجتماعیہ کے تابع رکھ کر کوئی اور آزادی چاہنا بے معنی تھا۔ ابوجہل اور ابولہب امت مسلمہ کو ہی آزادی سے پھولتا پھلتا نہیں دیکھ سکتے تھے کہ بطور مدافعت ان سے نزاع درپیش آئی۔ محمد (فداہ امی وابی) کی قوم آپ کی بعثت سے پہلے قوم تھی اور آزاد تھی لیکن جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بننے لگی، تو اب قوم کی حیثیت ثانوی رہ گئی۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں آ گئے وہ خواہ ان کی قوم میں سے تھے یا دیگر اقوام سے وہ سب امت مسلمہ یا ملت محمدیہ بن گئے۔ پہلے وہ ملک و نسب کے گرفتار تھے اب ملک و نسب ان کا گرفتار ہو گیا ہے

کسے کو پنجہ زد ملک و نسب را | نہ داند نکتۂ دینِ عرب را
اگر قوم از وطن بودے محمدؐ | نہ دادے دعوتِ دیں بولہب را

مقامِ محمدیؐ

حضورؐ رسالت مآب کے لئے یہ راہ بہت آسان تھی کہ آپ ابولہب یا ابوجہل یا کفارِ مکہ سے یہ فرماتے کہ تم اپنی بت پرستی پر قائم رہو مگر اس نسلی اور وطنی اشتراک کی بنا پر جو ہمارے تمہارے درمیان موجود ہے، ایک وحدت عربیہ قائم کی جا سکتی ہے۔ اگر حضورؐ نعوذ باللہ یہ راہ اختیار کرتے تو اس میں شک نہیں کہ یہ

ایک وطن دوست کی راہ ہوتی۔ لیکن نبی آخر الزماں کی راہ نہ ہوتی۔ نبوت محمدیہ کی غایت الغایات یہ ہے کہ ایک ہئیت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس قانون الٰہی کے تابع ہو جو نبوت محمدیہ کو بارگاہ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔ بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ بنی نوع انسان کی اقوام کو باوجود شعوب و قبائل اور الوان و السنہ کے اختلافات کو تسلیم کر لینے کے ان کو ان تمام آلودگیوں سے منزہ کیا جائے جو زمان، مکان، وطن، قوم، نسل، نسب، ملک وغیرہ کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں اور اس طرح اس پیکر خاکی کو وہ ملکوتی تخیل عطا کیا جائے جو اپنے وقت کے ہر لحظہ میں ابدیت سے ہم کنار رہتا ہے۔ یہ ہے نصب العین ملت اسلامیہ کا۔ اس کی بلندیوں تک پہنچتے تک معلوم نہیں، حضرت انسان کو کتنی صدیاں لگیں، مگر اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اقوام عالم کی باہمی مغائرت دور کرنے اور باوجود شعوبی، قبائلی، نسلی، لونی اور لسانی امتیازات کے ان کو یک رنگ کرنے میں جو کام تیرہ سو سال میں کیا ہے وہ دیگر ادیان سے تین ہزار سال میں بھی نہیں ہو سکا۔ یقین کیجئے کہ دین اسلام ایک پوشیدہ اور غیر محسوس حیاتی اور نفسیاتی عمل ہے جو بغیر کسی تبلیغی کوششوں کے بھی عالم انسانی کے فکر و عمل کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے عمل کو حال کے سیاسی مفکرین کی جدت طرازیوں سے مسخ کرنا ظلم عظیم ہے۔ بنی نوع انسان پر اور اس نبوت کی ہمہ گیری پر جس کے قلب و ضمیر سے اس کا آغاز ہوا۔

مولانا حسین احمد کے بیان کا وہ حصہ جس میں آپ نے مدیرؔ احسانؔ سے اس بات کی تائید میں نص طلب کی ہے کہ ملت اسلامیہ شرف انسانی اور اخوت بشری پر موسس ہے بہت سے مسلمانوں کے لئے تعجب خیز ہوگا لیکن میرے لئے چنداں تعجب خیز نہیں۔

اس لئے کہ عصبیت کی طرح گمراہی بھی تنہا نہیں آتی۔ جب کسی مسلمان کے دل و دماغ پر وطنیت کا وہ نظریہ غالب آ جائے جس کی دعوت مولانا دے رہے ہیں تو اسلام کی اساس میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ وطنیت سے قدرتاً ذہن ادھر حرکت کرتے ہیں۔ اس خیال کی طرف کہ بنی نوع انسان اقوام میں اس طرح بٹے ہوئے ہیں کہ ان کا نوعی اتحاد امکان سے خارج ہے اور دوسری گمراہی جو وطنیت سے "ادیان" کی اضافیت کی لعنت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی یہ تصور کہ ہر ملک کا دین اس ملک کے لئے خاص ہے اور دوسری اقوام کے طبائع کے موافق نہیں۔ اس تیسری گمراہی کا نتیجہ سوائے لادینی اور دہریت کے اور کچھ نہیں۔

انسان کا نصب العین

یہ نفسیاتی تجزیہ ہے اس تیرہ بخت انسان کا جو اس روحانی جذام میں گرفتار ہو جائے باقی رہا نفس کا معاملہ میں سمجھتا ہوں کہ تمام قرآن ہی اس کے لئے نص ہے۔ الفاظ شرف انسانی کے متعلق کسی کو دھوکا نہیں ہونا چاہئے۔ اسلامیت میں ان سے مراد وہ حقیقت کبریٰ ہے جو حضرت انسان کے قلب و ضمیر میں ودیعت کی گئی ہے۔

یعنی یہ کہ اس کی تقویم فطرۃ اللہ ہے اور اس شرف کا غیر ممنون یعنی غیر منقطع ہونا منحصر ہے۔ اس تڑپ پر جو توحید الٰہی کے لئے اس کے رگ و ریشے میں مرکوز ہے انسان کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ ایک لامتناہی سلسلہ باہم آویزشوں کا، خونریزیوں کا اور خانہ جنگیوں کا۔ کیا ان حالات میں عالم بشری میں ایک ایسی امت قائم ہو سکتی ہے جس کی اجتماعی زندگی امن اور سلامتی پر موسس ہو؟ قرآن کا جواب ہے کہ ہاں ہو

سکتی ہے۔ بشرطیکہ توحید الٰہی کو انسانی فکر و عمل میں حسب منشاء الٰہی مشہود کرنا انسان کا نصب العین قرار پائے۔ ایسے نصب العین کی تلاش اور اس کا قیام سیاسی تدبر کا کرشمہ نہ سمجھئے، بلکہ یہ رحمۃ للعالمین کی ایک شان ہے کہ اقوام بشری کو ان کے تمام خود ساختہ تفوقوں اور فضیلتوں سے پاک کرکے ایک ایسی امت کی تخلیق کی جائے جس کو امۃً مسلمۃً لک کہہ سکیں اور اس کے فکر و عمل پر شہداء علی الناس کا خدائی ارشاد صادق آ سکے۔

قادیانی افکار کا تتبع

حقیقت یہ ہے کہ مولانا حسین احمد یا ان کے دیگر ہم خیالوں کے افکار میں نظریہ وطنیت ایک معنی میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو قادیانی افکار میں، افکار ختمیت کا۔ نظریہ وطنیت کے حامی، بالفاظ دیگر یہ کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وقت کی مجبوریوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی اس حیثیت کے علاوہ جس کو قانون الٰہی ابدالآباد تک متعین و متشکل کر چکا ہے، کوئی اور حیثیت بھی اختیار کرے جس طرح قادیانی نظریہ ایک جدید نبوت کی اختراع سے قادیانی افکار کو ایک ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے کہ اس کی انتہا نبوت محمدیہ کے کامل اکمل ہونے سے انکار ہے بعینہٖ اسی طرح وطنیت کا نظریہ بھی امت مسلمہ کی بنیادی سیاست کے کامل ہونے سے انکار کی راہ کھولتا ہے۔ بظاہر نظریہ وطنیت سیاسی نظریہ ہے اور قادیانی "انکار ختمیت" الٰہیات کا ایک مسئلہ ہے لیکن ان دونوں میں ایک گہرا معنوی تعلق ہے جس کی توضیح صرف اسی وقت ہو سکے گی جب کوئی دقیق النظر مسلمان مورخ ہندی مسلمانوں

بالخصوص ان کے بعض بظاہر متعدد فرقوں کے دینی افکار کی تاریخ مرتب کرے گا۔

خاتمہ

اس مضمون کو خاقانی کے ان دو شعروں پر ختم کرتا ہوں جن میں اس نے اپنے ان معاصر حکماء سے اسلام کو مخاطب کیا ہے، جو حقائق اسلامیہ کو یونانی فلسفہ کی روشنی میں بیان کرنا فضل و کمال کی انتہا سمجھتے تھے۔ تھوڑے سے معنوی تغیر کے ساتھ یہ اشعار آج کل کے مسلمان سیاسی مفکرین پر بھی صادق آتے ہیں ؎

مرکب دیں کہ زادہ عرب است　　داغ یونانش بر کفل منہید
مشتے اطفال نوتعلّم را　　لوح ادبار در بغل منہید

مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریزی غلامی کے بند توڑنا اور اس کے اقتدار کا خاتمہ کرنا ہمارا فرض ہے اور اس آزادی سے ہمارا مقصد یہی نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں بلکہ ہمارا اول مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقتور بن جائے۔ اس لئے مسلمان کسی ایسی حکومت کے قیام میں مددگار نہیں ہو سکتا جس کی بنیادیں انہی اصولوں پر ہوں، جن پر انگریزی حکومت قائم ہے۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد؟

ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کلیتہً نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالسلام بن جائے لیکن اگر آزادیٔ ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دارالکفر ہے ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بدتر بن جائے تو مسلمان ایسی آزادیٔ وطن پر ہزار مرتبہ لعنت بھیجتا ہے ایسی آزادی کی راہ میں لکھنا، بولنا، روپیہ صرف کرنا، لاٹھیاں کھانا، جیل جانا، گولی کا نشانہ بننا سب کچھ حرام اور قطعی حرام سمجھتا ہے۔